مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد

لاہور پاکستان

رجب ۱۴۲۳ھ

سلسلہ تبلیغ نمبر: 97

ستمبر ۲۰۰۲ء

الشکر

(ترغیبِ صبر و شکر)

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ

291- کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

الشکر

حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے یہ وعظ ۸ ذی القعدہ ۱۳۳۰ھ کو بمقام تھانہ بھون مکان بیری والا میں ایک گھنٹہ پچاس منٹ بیٹھ کر صبر وشکر کی ترغیب کے موضوع پر ارشاد فرمایا جسے مولانا محمد عبداللہ صاحب گنگوہیؒ نے قلمبند کیا۔ سامعین کی تعداد تقریباً یکصد تھی۔

خالی نہیں کبھی ایک کی کبھی دوسرے کی نوبت ہو بت(۱) ہر وقت ضرورت ہے کوئی حالت ایسی نہیں ہے کہ دونوں کی یا ایک کی ضرورت نہ ہو پس ظاہر ہے کہ ایسا امر کس درجہ کا ضروری ہوگا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ بعض عبادات اور مامور بہ(۲) تو ایسے ہیں کہ خاص اوقات میں ضروری ہوتے ہیں جیسے نماز روزہ باوجودیکہ اسلام کے ارکان اور شعائر ہیں لیکن بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت یہ صرف غیر ضروری ہی نہیں بلکہ معصیت(۳) ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ عین دوپہر یا غروب یا طلوع آفتاب کے وقت نماز منہی عنہ(۴) ہے عید بقرعید کے دن روزہ ممنوع(۵) ہے اور اسی طرح مکلفین کے اعتبار سے بھی ان کو عموم(۶) نہیں چنانچہ حائضہ اور نفساء(۷) اگر نماز روزہ ادا کریں تو گناہ ہے اور بعض امور بھی ایسے ہیں کہ خاص خاص اوقات میں تو نہیں لیکن غیر ضروری ہیں نماز روزہ ہی کو یہاں بھی لے لیجئے کہ بعد ادائے فرائض وسنن ضروری نہیں رہتے تطوع کے درجہ میں آجاتے ہیں اور بعض امور وہ ہیں کہ وہ ہر وقت اور ہر شخص کے لیے ضروری ہیں یعنی جن اوقات میں آدمی غیر مکلف ہوتا ہے جیسے نوم جنون نابالغی(۸) اس کے سوا ہر وقت

---

(۱) باری باری (۲) بعض عبادتیں اور حکم کیے گئے احکام (۳) گناہ (۴) جس وقت سورج بالکل خط استوئی پر ہو اور جب غروب ہو رہا ہو یا نکل رہا ہو اس وقت نماز پڑھنا منع ہے (۵) منع ہے (۶) جن پر عبادات فرض ہیں یعنی بالغ مسلمان ان کے اعتبار سے بھی یہ حکم عام نہیں (۷) حیض نفاس والی عورتیں (۸) جن اوقات میں آدمی احکام کا پابند نہیں ہوتا جیسے نیند اور پاگل پن اور نابالغی۔

ضروری ہیں کسی وقت اور کسی حالت کی قید نہیں صبح شام لیل ونہار (۱) وضو بے وضو غیر قبلہ ہر وقت ضروری ہیں اس کی بھی بہت سی عبادات ہیں۔

قابل حصول دو صفتیں

منجملہ ان کے دو وہ ہیں جن کا ذکر حق تعالے نے اس جزو آیت میں فرمایا ہے چنانچہ مختصراً حاصل مقام کا یہ ہے کہ اللہ تعالے بعض آیات قدرت کو بیان فرماتے ہیں "ان فی ذلک لآیات لکل صبار شکور" یعنی ہم نے جو اپنی قدرت کی نشانیاں بیان فرمائی ہیں ان کو دیکھتے تو سب ہیں لیکن ان کو آیات قدرت سمجھنا پھر اس سمجھنے سے منتفع (۲) ہونا ہر ایک کے لئے نہیں بلکہ اس انتفاع (۳) کی دو شرطیں ہیں ایک کو لفظ صبار (۴) سے تعبیر فرمایا اور دوسری کو شکور (۵) سے یعنی جس شخص کے اندر دو صفتیں ہوں اول صبر دوسرے شکر وہی ہماری آیات قدرت سے نفع حاصل کرتا ہے۔ یہ ہے اس آیت کا حاصل۔ اس مقام سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں صفتوں کی کس درجہ مدح فرمائی ہے کہ ان کو آیات قدرت سے منتفع ہونے کا موقوف علیہ (۶) قرار دیا ہے اور اسی سے ان دونوں صفتوں کو وجوب بھی مفہوم (۷) ہو گیا ہوگا کیونکہ واجب کا موقوف علیہ واجب ہے اور آیات الٰہیہ سے اعتبار کا واجب ہونا

---

(۱) رات دن (۲) سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھانا (۳) فائدہ مند ہونے کی دو شرطیں ہیں (۴) صابر (۵) شاکر (۶) آیات قدرت سے فائدہ اٹھانا ان دو صفتوں کے حاصل ہونے پر موقوف ہے (۷) اس سے معلوم ہوا کہ ان دونوں صفتوں کا حاصل کرنا واجب ہے۔

ظاہر ہے۔

صبر وشکر کو بیان کرنے کی وجہ

اب یہ سمجھئے کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ ایسی عبادتیں کہ جن کی ہر وقت ضرورت ہے متعدد ہیں پھر ان میں سے صبر وشکر کو جو میں نے اس وقت بیان کے لئے اختیار کیا ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہم لوگوں کے اندر ان دونوں امر میں بہت کوتاہی ہو رہی ہے جو دنیادار ہیں ان کی شکایت ہی کیا ہے جو دین دار کہلاتے ہیں وہ بھی نماز روزہ کو تو ضروری جانتے ہیں اور ان کا اہتمام بھی ایک درجہ میں ہے لیکن بہت سی تاریخیں ایسی گذری ہوں گی کہ ایک دفعہ بھی صبح سے شام تک بڑی سے بڑی نعمت پر بھی شکر نہ کیا ہوگا۔

کیسی غضب کی بات ہے کہ جس شے کی ہر وقت ضرورت ہو اس سے ہمارے ہفتے کے ہفتے اور مہینے کے مہینے خالی گذر جائیں۔ ایسے ہی صبر کے اندر بھی بہت کوتاہی ہے، بہت سے مقام اور مواقع ایسے پیش آتے ہیں کہ ہم کو ضرورت صبر کی ہوتی ہے لیکن ہم سے اس میں بہت کوتاہی ہوتی ہے۔

وجہ ان دونوں میں کوتاہی کی یہ ہے کہ دونوں مواقع اور محلوں (۱) سے بے خبری ہے شکر کا موقع تو صرف کھانا کھانے یا لذیذ شے یا ٹھنڈا پانی پینے کے بعد سمجھ رکھا ہے اور صبر کا موقع صرف کسی عزیز کے مرنے کے بعد قرار دیا ہے کہ کوئی اپنا عزیز مرے تو

(۱) اس بات سے ہم لوگ بے خبر ہیں کہ کس جگہ صبر کرنا چاہئے اور کس وقت کرنا چاہئے۔

روئے نہیں اور منشا(۱) اس تمام تر کوتاہی کا ان دونوں کی حقیقت نہ جاننا ہے بالخصوص عورتیں تو ان کی حقیقت سے بالکل ناواقف ہیں اور جس قدر مفہوم دونوں کا سمجھ رکھا ہے اس میں بھی بہت کوتاہی ہے بہرحال چونکہ صبر وشکر کی ہر وقت ضرورت تھی اور ان میں کوتاہی بھی عام تھی اور نیز ان کی حقیقت سے بھی بے خبری تھی ادھر عورتوں کی بھی اصلاح مقصود ہے اس لئے کہ ان میں یہ دونوں صفتیں بہت کم ہیں بلکہ کالعدم(۲) ہیں اس لئے اس بیان کو اختیار کیا گیا یہ تو تمہید تھی۔

صبر وشکر کی تعریف

اب مقصود عرض کیا جاتا ہے کہ اول صبر وشکر کی حقیقت سمجھو اس کے بعد دونوں کے محل معلوم کرو کہ کس موقع پر صبر کا حکم ہے اور کس موقع پر شکر کا۔ پھر اپنے افعال سے موازنہ کرو۔ اس سے اس کی ضرورت کا ہر وقت اور ہر شخص کو ہونا جس کا میں نے اول دعویٰ کیا تھا اور اس میں کوتاہی کا عام ہونا اور ان کی حقیقت نہ جاننا جملہ دعویٰ(۳) خود ثابت ہو جائیں گے۔ سمجھ لینا چاہئے کہ صبر کی حقیقت ہے۔

"ضبط النفس علی ما تکرہ"

یعنی ناگوار امر(۴) پر نفس کو جمانا اور مستقل رکھنا آپے سے باہر نہ ہونا اور وہ ناگوار(۵) خواہ کچھ ہو خواہ کسی کا مرنا ہو یا کوئی اور ناگوار امر ہو چنانچہ مواقع صبر کو کسی قدر

---

(۱) ساری کوتاہی کا سبب (۲) نہ ہونے کے برابر (۳) سب دعوے (۴) کسی ناپسندیدہ کام کے واقع ہو جانے پر ثابت قدم رہنا اور حد سے نہ گذرنا (۵) وہ ناپسندیدہ کام جو چاہے ہو

بسط کے ساتھ عنقریب بیان کیا جاوے گا اس سے اس کی تقسیم سمجھ میں آجائے گی۔اور شکر کہتے ہیں حق تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کرنا خواہ وہ نعمت کھانا ہو یا پانی یا اور شے ہو اور قدر کرنا دل سے بھی اور زبان سے بھی اور دیگر جوارح سے بھی۔لوگ شکر کی حقیقت صرف اتنی ہی سمجھتے ہیں کہ زبان سے کہہ لیا الحمد للہ یا اے اللہ شکر ہے پس شکر ادا ہو گیا۔ شکر یہ ہے کہ قلب اس کا معترف ہو اور منعم حقیقی کی نعمتوں سے متاثر(۱) ہو اور زبان اور دیگر جوارح(۲) پر بھی اس کا اثر ہو۔آگے اس کے مواقع بھی بیان کئے جاویں گے۔

نعمت اور مصیبت کی حقیقت

اب مواقع صبر و شکر کو سمجھ لیجئے دونوں کی تعریف سے اجمالاً اتنا معلوم ہو گیا ہوگا کہ صبر کا موقع مصیبت ہے اور شکر کا محل نعمت(۳) ہے۔اتنی بات تو سب کو معلوم ہے لیکن اس میں غلطی یہ واقع ہوئی ہے کہ صبر کا موقع ایک خاص مصیبت اور شکر کا ایک خاص نعمت سمجھا ہے اس لئے ان دونوں یعنی مصیبت و نعمت کی حقیقت بھی بیان کی جاتی ہے۔

نعمت کی حقیقت یہ ہے "النعمة حالة ملائمة للنفس" نعمت وہ حالت ہے جو نفس کے لئے خوشگوار ہو۔اور مصیبت کہتے ہیں "حالة غیر ملائمة للنفس" مصیبت وہ حالت ہے جو نفس کو ناگوار ہو۔تفصیل اس مجمل(۴) کی یہ ہے کہ

---

(۱) دل اس کا اعتراف کرے اور اللہ کی نعمتوں سے متاثر ہو (۲) دوسرے اعضاء (۳) مصیبت کے وقت صبر کرے اور نعمت حاصل ہونے پر شکر (۴) اس اختصار کی یہ تفصیل ہے۔

انسان پر دو قسم کے حالات آتے ہیں بعض تو وہ ہیں جو اس کی مرضی کے موافق ہیں اور بعض وہ ہیں جو مرضی کے موافق نہیں۔ اول موقع شکر کا ہے، ثانی محل (۱) صبر کا اول میں نفس کا اقتضاء فرح اور فخر اور اس کو اپنے کسب اور اپنی تدبیر سے سمجھنا اور منعم حقیقی کو فراموش کر دینا اور اس نعمت کو اس کی طرف نسبت نہ (۲) کرنا ہوتا ہے پس شکر یہ ہے کہ اس نعمت کو حق تعالیٰ کی طرف سے جانے، اتراوے نہیں، اپنا کمال نہ سمجھے، غافل اور ناسی (۳) نہ ہو اور نعمت میں مشغول ہو کر رب نعمت (۴) کو نہ بھولے بلکہ یہ نعمت اس کے لئے اور زیادہ موجب تذکرہ (۵) ہو جاوے اب یہ نعمت عام ہے خواہ وہ کھانا ہو یا پانی ہو یا کوئی کپڑا ہو یا یہ کہ کوئی ناگوار حالت نہ ہو اور ثانی میں نفس کا اقتضاء یہ ہوتا ہے کہ استقلال نہ ہو، جزع فزع شکوہ شکایت ہو ضروری طاعت ترک ہو جاوے (۶) پس صبر یہ ہے کہ نفس کو روکا جاوے اور جمایا جاوے اور استقلال کو ہاتھ سے نہ دیا جاوے (۷)

صبر کے دو محل، مصیبت اور عبادت

اب یہ مصیبت عام ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ صبر مرنے ہی پر ہوتا ہے لیکن اس کی حقیقت میں غور کرنے سے عموم معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ مصیبت کی حقیقت جب

---

(۱) دوسرا موقع صبر کا ہے (۲) مرضی کے مطابق بات ہونے پر انسان سے یہ فعل صادر ہوتے ہیں۔ اس پر خوشی فخر اور اپنی تدبیر کو موثر سمجھنا اور اللہ کو بھول جانا۔ (۳) بے پرواہ نہ ہو (۴) نعمت دینے والے رب کو نہ بھولے (۵) رب کی یاد کا سبب بن جائے (۶) دوسری حالت یعنی خلاف مرضی بات ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ استقلال نہ رہے چیخ و پکار ہو شکوہ شکایت کے الفاظ زبان پر آجائیں ضروری عبادات ترک ہونے لگیں (۷) پس صبر کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے آپ کو روکا جائے اور ایسی باتیں نہ ہونے دی جائیں۔

یہ ٹھہری کہ جو ناگوار حالت ہوتو وہ ناگواری جیسے کسی کے مرنے سے ہوتی ہے ایسی ہی دوسرے موقع پر بھی ہوتی ہے چنانچہ اس ناگواری کے دو محل(۱) ہیں غور کرنے سے معلوم ہو جاویگا کہ اس میں بہت عموم ہے۔اول موقع کوئی مصیبت مثلاً کسی عزیز کا مرنا یا اپنا یا کسی عزیز کا بیمار ہونا یا مال کا ضائع ہونا یا کسی تمنا کا حاصل نہ ہونا۔ دوسرا موقع ناگواری کا عبادت ہے کہ اس میں بھی نفس کو ناگواری پیش آتی ہے جیسے نیند چھوڑ کر اپنے بدن کو گھسیٹ کر تہجد پڑھنا۔ نفس چاہتا ہے کہ سوتا رہوں لیکن یہ نفس کے ساتھ منازعت(۲) کر کے اور اس کو اس کے مرغوب(۳) سے روک کر اٹھتا ہے پس معلوم ہوا کہ ناگواری عبادت میں بھی ہوتی ہے چنانچہ حدیث میں ہے "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسباغ الوضوء علی المکارہ" یعنی حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایمان کی علامت وضوء کو باوجود ناگواری کے کامل کرنا یعنی جاڑے(۴) کے دن میں سردی بہت ہو رہی ہے لحاف میں سے ہاتھ نکالنے تک کو جی نہیں چاہتا مگر اس حالت میں بھی وضوء پورا پورا کیا ہر عضو کو تین تین مرتبہ دھویا۔ دیکھئے حدیث میں "مکارہ" کا لفظ ہے جس سے ناگواری کا عموم صاف معلوم ہوتا ہے۔

سالکین کی غلطی کا ازالہ

اور مجھے اس ناگواری کے ثابت کرنے کے لئے حدیث کی ضرورت نہ تھی لیکن اس میں میرا ایک مقصود ہے اور وہ یہ کہ اکثر سالکین کا مقصود ذکر و شغل سے یہ ہوتا

(۱) دو مواقع ہوئے (۲) جھگڑا (۳) پسندیدہ (۴) سردی کے دن ہیں۔

ہے کہ عبادت آپ سے آپ ہونے لگے نفس کو ناگواری اور کشاکشی نہ ہو چنانچہ شکایت کرتے ہیں کہ ہم کو اتنے دن ہوگئے ذکر وشغل کرتے ہوئے مگر نفس کے اندر یہ بات پیدا نہیں ہوئی حالانکہ جناب رسول اللہ ﷺ اس ناگواری کے ہوتے ہوئے عبادت کرنے کی فضیلت اور مدح بیان فرماتے ہیں۔

علی المکارہ کے لفظ سے اہل لسان (۱) خود معلوم کر سکتے ہیں کہ مبالغہ کے لئے فرمایا ہے پس مبالغہ کے ساتھ جس عبادت کا ذکر ہو وہ عمل اعلیٰ درجہ کا ہوگا اگر یہ حالت مذموم ہوتی جیسی سالکین سمجھتے ہیں تو اس کی مدح کیوں فرماتے پس ناگواری فضیلت کو اور زیادہ بڑھانے والی ہے پس اس کا مقتضی تو یہ تھا کہ ذاکر کو جب ذکر وشغل میں ناگواری اور کشاکشی ہو تو اور زیادہ خوش ہو کہ ہمارا اجر بڑھا۔ اور یاد رکھو یہ کشاکشی (۲) جس کو تم مذموم (۳) سمجھتے ہو یہ ہی ترقی کا سبب ہے اگر یہ نہ ہو تو انسان کا کمال ہی کیا ہے۔ ہاں دوسری صورت جو اس کی ضد ہے کہ عبادت میں لذت اور حلاوت (۴) ہو یہ بھی ایک کمال ہے مگر یہ دوسرے اعتبار سے ہے اس کے کمال ہونے سے یہ لازم آیا کہ ناگواری کمال نہیں ہے بلکہ جس قدر مشقت زیادہ ہو خدا تعالیٰ کا شکر کرنا چاہئے کہ باوجود اس کے کہ ہم کو ناگواری تھی لیکن پھر بھی حق تعالیٰ نے ہم سے یہ کام لے لیا۔

بہر حال مشاہدہ سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ جیسے مصیبت کے اندر ناگواری

---

(۱) عربی دان (۲) کھینچا تانی (۳) برا (۴) مٹھاس۔

ہوتی ہے عبادت کے اندر بھی ہوتی ہے۔ پس صبر کا تعلق دو چیزوں سے ہوا مصیبت سے بھی اور عبادت سے بھی۔ مصیبت میں تو صبر یہ ہے کہ جزع فزع(۱) نہ کرنا اور عبادت میں یہ ہے کہ باوجود ناگواری کے نفس کو اُس پر جمانا اور ناگواری کی پروانہ کرنا چنانچہ دونوں کی نسبت ارشاد ہے "یا ایھا الذین اٰمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا "(۲)

اصبروا تو مصائب میں صبر کرنا اور 'صابروا' دوسروں کو صبر کی تعلیم کرنا اور رابطوا عبادت کے اندر جما رہنا۔ چنانچہ رباط کی تفسیر حدیث میں یہ آئی ہے کہ ایک نماز پڑھ کر دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھے رہنا اور یہ ہی مفہوم صبر کا ہے مصیبت میں اس کا نام صبر ہوا اور عبادت میں اسی کو رباط سے تعبیر فرمایا۔ پس صاف معلوم ہو گیا کہ صبر کے دو محل ہیں مصیبت اور عبادت۔

انسان کی دو حالتیں

اس تقریر سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ صبر اور شکر کیا چیز ہیں اور یہ بھی واضح ہوا ہوگا کہ ان کی ہر وقت ضرورت ہے اس لئے کہ انسان پر دو حالتوں میں سے ایک حالت کا رہنا لازمی ہے یا تو ایسی حالت ہوگی کہ موجب راحت ہوگی اور یا موجب ناگواری(۳) ہوگی اس کے سوا(۴) تیسری حالت نہیں اور راحت سے میری مراد لذت نہیں تا کہ یہ شبہ نہ ہو کہ ایک حالت یہ بھی تو ہے کہ نہ لذت ہو نہ مصیبت۔ بلکہ راحت ہے اُس حالت کا گوارا ہونا۔ پس

---

(۱) واویلا نہ مچانا (۲) سورۃ آل عمران آیت ۲۰۰ (۳) ناگواری کا باعث (۴) علاوہ

گوارا حالت پر شکر اور ناگوار پر صبر ضروری ہے پس معلوم ہوا کہ انسان پر ہر وقت یہ دو عبادتیں بطور مانعۃ الخلو (۱) کے واجب ہیں یعنی ایسی حالت کوئی نہیں ہے کہ اس میں ایک بھی واجب نہ ہو ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ بعض حالات میں دونوں واجب ہوں مثلاً ایک ناگوار حالت پیش آئی تو صبر واجب ہوا اور عین اس حالت میں بہت سی اس پر نعمتیں بھی ہیں۔

بلکہ یہ ناگوار حالت بھی اگر غور کیا جاوے تو ایک نعمت ہے تو بعینہ اسی وقت میں اس اعتبار سے شکر بھی واجب ہے۔ اب ہم کو اپنی حالت کا موازنہ کرنا چاہئے کہ ہم کتنا صبر و شکر کرتے ہیں حالت ہماری وہ ہے جس کو حق تعالیٰ بیان فرماتے ہیں "ان الانسان خلق هلوعا☆ اذا مسه الشر جزوعا☆ واذا مسه الخير منوعا☆" (۲) یعنی انسان خفیف الحرکت اور اوچھا اور بودا، لچر ہے" اذا مسه الشر جزوعا مسه" جس وقت کوئی مصیبت آتی ہے تو جزع فزع کرتا ہے یعنی صبر نہیں کرتا ہے اور جب کوئی خیر اس کو لاحق ہوتی ہے تو خدا کی نعمتوں کو روکتا ہے یعنی دوسروں سے بخل کرتا ہے یہ ناشکری ہے اس لئے کہ قدر نعمت کی نہ کرنا ناشکری ہے اور قدر کرنے میں یہ بھی داخل ہے کہ جیسے خدا تعالیٰ نے تم پر احسان کیا ہے تم خدا کے بندوں کے ساتھ احسان کرو پس دوسروں سے نعمت کو روکنا بھی ناشکری ہے غرض ہماری یہ حالت ہے کہ مصیبت میں جزع (۳) اور نعمت میں بجائے شکر کے منع (۴)۔

---

(۱) یعنی ہر وقت دو باتوں میں سے ایک بات ضرور واجب ہے یا صبر یا شکر
(۲) سورۃ المعارج آیت ۱۹۔۲۱ (۳) بے صبری (۴) بخل۔

انعامات الٰہی

اب نعمتوں میں بھی غور کر لیجئے جو کہ محل ہیں شکر کا اگر چہ احصاء(۱) نعمتوں کا محال ہے لیکن جو نعم ہم کو معلوم ہیں سو وہ دو قسم کی ہیں دنیویہ اور دینیہ، دنیویہ تو یہ ہیں تندرستی چشم وگوش(۲)، ہاتھ پاؤں، نوکر چاکر، عزت وآبرو، بیوی بچے، مکان جائداد۔ دینیہ کہ اپنی محبت ومعرفت عطا فرمائی اور جناب رسول اللہ ﷺ کے ذریعے سے اپنی مرضیات(۳) اور نا مرضیات سے آگاہ فرمایا۔ اگر ہم کو مطلع نہ فرماتے اور ہم کو اپنی رائے اور عقل اور سلیقہ پر چھوڑ دیتے اور پھر ان پر غلطیوں پر مواخذہ(۴) فرماتے تو ان کو حق حاصل تھا دیکھو! دنیا میں نوکروں کو کہا جاتا ہے کہ ہمارے اشارہ پر چلو اگر کچھ مخالفت کرتے ہیں تو مواخذہ کرتے ہیں باز پرس کرتے ہیں کہ تم نے ہمارے اشارہ کو نہیں سمجھا تو باوجود ایک قلیل معاوضہ(۵) کے جب ہم کو یہ حق ہے تو کیا حق تعالیٰ کو حق نہ تھا کہ ہم کو ہماری عقل پر چھوڑ دیتے اور معاصی(۶) پر مواخذہ کرتے اگر ایسا کرتے تو کیسی سخت مصیبت ہوتی اس لئے کہ ہماری عقل مرضیات ونا مرضیات کے ادراک کے لئے کافی نہ تھی(۷)۔

ایسا نہیں کیا بلکہ تمام احکام کو صاف صاف بیان فرمادیا اور ایک مرتبہ نہیں

---

(۱) نعمتوں کا احاطہ ممکن نہیں (۲) آنکھ کان کا سلامت ہونا (۳) اللہ نے اپنے پسندیدہ کاموں سے ہم کو آگاہ کیا (۴) باز پرس (۵) تھوڑی سی تنخواہ دے کر ہم کو یہ حق حاصل ہے (۶) گناہوں پر پکڑ فرماتے (۷) عقل سے اللہ کی پسند ناپسند کو معلوم کرنا مشکل کام تھا۔

بلکہ مکرر، سہ کرر(۱) بیان فرمایا کہ کوئی اشتباہ ہی نہیں رہا ہم نے کیا کیا کہ اس کی قدر تو کی نہیں برعکس(۲) اس کے اس میں شبہات نکالنے لگے کہ حق تعالیٰ نے اس مضمون کو مکرر کیوں بیان فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس تکرار کی حکمت یہ ہی ارشاد فرمائی ہے چنانچہ فرماتے ہیں

"ولقد صرفنافی هذا القرآن ليذ كروا "(۳)

یعنی ہم نے لوگوں کے لئے طرح طرح سے اس لئے بیان کیا ہے تاکہ نصیحت قبول کریں اس کی قدر اس کو ہوگی جو باپ کی شفقت کو پیش نظر رکھے دیکھو باپ بیٹے کو کس کس طرح سے سمجھاتا ہے صرف ایک مرتبہ سمجھانے پر اکتفا نہیں کرتا اور نہ ایک مرتبہ سمجھانے کے بعد مواخذہ کرتا ہے بلکہ ایک مرتبہ سمجھاتا ہے، دوسری تیسری چوتھی مرتبہ بار بار سمجھاتا ہے جب تک کہ بیٹے کی اصلاح نہ ہو اس کو چین نہیں آتا جب بالکل لاچار(۴) ہو جاتا ہے بہ مجبوری زجر و توبیخ(۵) سے کام لیتا ہے پھر اس میں بھی ایلام اور ایذاء(۶) مقصود نہیں ہوتا بلکہ اس کی درستی اور تہذیب مدنظر(۷) ہوتی ہے حق تعالیٰ کو تو باپ سے بدرجہا زیادہ شفقت ہے اور اس کو باپ سے زیادہ اس کے مصالح کی رعایت ہے اسی وجہ سے ایک ہی مضمون کو مختلف عنوانوں اور نوع نوع کے طرز سے بیان فرمایا ہے اور پھر باپ کے احسان اور حق تعالیٰ کے احسانات میں فرق عظیم یہ ہے

---

(۱) بلکہ دو دو تین تین دفعہ بیان فرمایا (۲) اس کے برخلاف (۳) سورۃ بنی اسرائیل آیت ۴۱ (۴) مجبور (۵) ڈانٹ ڈپٹ (۶) درد و تکلیف میں مبتلا کرنا مقصود نہیں (۷) بلکہ اس کو ٹھیک کرنا اور سنوارنا پیش نظر ہوتا ہے۔

کہ باپ کو بیٹے کے حال پر جو عنایت(۱) ہے اس کا منشاء(۲) تو غرض ہے کہ باپ کو یہ امید ہوتی ہے کہ بیٹا میرے کام آوے گا یا یہ کہ اس سے میرا نام چلے گا اور کچھ نہیں یہ تو ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد کے ساتھ ایسا علاقہ (۳) پیدا کردیا ہے کہ اس سے مادہ اس کی تربیت واصلاح کی طرف مضطر(۴) ہوتا ہے۔ اور اسی سے اس کو راحت ہوتی ہے بہر حال کوئی کوئی غرض ضروری ہوتی ہے۔ اور حق تعالیٰ کو انسان کی کوئی احتیاج نہیں، غنی بالذات ہے اور نہ ہماری طرح کسی شے سے متاثر ہوتے ہیں ہم تو محبت سے یا کسی دوسری غرض سے مجبور بھی ہو جاتے ہیں اور وہاں چونکہ غنٰی ذاتی (۵) ہے اس لئے کسی شے(۶) کی احتیاج نہیں ماسوا اس کے سب محتاج(۷) ہیں۔

انسان ہر چیز کا محتاج ہے

بلکہ انسان احتیاج میں تمام مخلوقات سے اول نمبر ہے اسلئے کہ اگر عالم میں انسان نہ رہے تو کسی شے میں کوئی خلل(۸) نہ آوے گا سب اپنے ہی حال پر رہیں گے اور اگر عالم میں سے ایک شے بھی نہ رہے تو انسان کی بقا(۹) دشوار ہو جاوے مثلاً پانی نہ رہے ہوا نہ رہے یا آگ نہ رہے تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا اور اگر انسان ایک بھی نہ رہے تو ان چیزوں میں سے کسی کا کچھ بھی نقصان نہیں اس سے صاف معلوم ہوا کہ

---

(۱) شفقت (۲) اسکا سبب (۳) تعلق (۴) طبعی طور پر ماں باپ اس کی اصلاح کیلئے بے قرار ہوتے ہیں (۵) اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر بے نیاز ہیں (۶) چیز کی (۷) اللہ کے علاوہ سب محتاج ہیں (۸) اگر سب انسان مر جائیں تو دنیا کی کسی چیز میں فرق نہ آئے (۹) اگر دنیا میں سے کوئی ایک چیز بھی بالکلیہ ختم ہو جائے تو انسان کا زندہ رہنا مشکل ہے۔

انسان ہر شے کا محتاج ہے اور یہ بات کہ باوجود اشرف المخلوقات ہونے کے یہ اتنا محتاج کیوں ہے؟ سو راز اس میں یہ ہے کہ اس کو اپنی اشرفیت پر نظر کر کے عُجب (۱) نہ ہو جاوے اس لئے اتنی حاجتیں اس کے پیچھے لگا دی گئی ہیں کہ جب ناز اور فخر ہو تو فوراً اس طرف بھی نظر کر لے کہ میں کیا ناز کروں میں تو ایک ایک جزو عالم (۲) کا محتاج ہوں۔ اس کے سوا اور بھی حکمتیں ہوں گی۔

بہر حال انسان سب چیزوں کا محتاج ہے اور کوئی شے انسان کی محتاج نہیں اور اللہ تعالیٰ کو انسان کی تو کیا احتیاج ہوتی جن چیزوں کا خود انسان محتاج ہے اللہ تعالیٰ کو ان کی بھی احتیاج نہیں بلکہ یہ امر عقلاً و نقلاً ثابت ہے کہ ہر شے اپنے وجود اور بقاء میں اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے۔ پس حق تعالیٰ کے اس استغناء اور انسان کے احوج ترین مخلوقات ہونے کا اقتضا تو یہ تھا کہ انسان کی بات بھی نہ پوچھتے اور احکام کا مخاطب نہ بناتے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہ آتا کہ حقوق بھی نہ ہوتے تو حقوق تو ضروری ہوتے پس جب حقوق ہوتے اور ان کے ادا کا طریقہ بتلایا نہ جاتا تو سخت مصیبت ہوتی۔

اشاروں کی زبان

جو آقا اشاروں اور رموز پر خادموں کو چلاتے ہیں خادموں کو سخت مصیبت کا سامنا ہوتا ہے اور ایک دو ہی کوئی ایسا نکل آتا ہے جو اتنا مزاج شناس ہو کہ اشارہ کو سمجھے علی حزیں شاہزادہ ایران کو اتفاق سے ایک خادم رمضانی نام کا ایسا مل گیا تھا کہ اشاروں

---

(۱) تکبر میں مبتلا نہ ہو جائے (۲) میں تو دنیا کی ایک ایک چیز کا محتاج ہوں۔

کو سمجھتا تھا۔ایک مرتبہ علی حزیں نے شاہ دہلی سے درخواست کی کہ ہم کو ایک سلیقہ دار خادم کی ضرورت ہے بادشاہ نے ایک بڑے ہوشیار شخص کو بھیج دیا علی حزیں باغ میں بیٹھے تھے اور وہ نیا خدمت گار باغ کے دروازہ پر تھا ایک شخص آیا اور اس نے ایک رقعہ(۱) دیا اس خادم نے وہ رقعہ پہنچا دیا۔اس میں درخواست کی گئی تھی کہ لیموں عنایت فرمائیے۔علی حزیں نے چہرے پر بل ڈال کر وہ رقعہ واپس دے دیا یہ خادم سخت پریشان ہوا کہ زبان کو تو بند کر لیا اور چہرے سے ناگواری کے آثار معلوم ہوتے ہیں۔ یہ کس بات پر بگڑے ہیں؟ اتفاق سے وہاں رمضانی بھی آنکلا۔

اس سے خدمت گار نے سارا قصہ بیان کیا رمضانی نے کہا چہرہ پر بل ڈال کر رقعہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ لیموں دے دو۔ لیموں ترش ہوتا ہے انہوں نے چہرہ ترش(۲) کر کے بتلا دیا وہ خادم یہ سن کر بھاگا اور سوچا کہ میں یہاں رہوں گا تو سخت مصیبت میں رہوں گا۔ یہ حکایت صحیح ہے یا غلط ہے بہر حال میرا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ بھی اشاروں سے کام لیتے تو حق تھا،لیکن کیسی مصیبت ہوتی اور ان اشاروں کو سمجھنے والا کون تھا سو ایسا نہیں کیا بلکہ ایک ایک مضمون کو خوب کھول کھول کر دو دو مرتبہ تین تین مرتبہ بیان فرمایا اور بیان بھی اس طور سے نہیں فرمایا کہ کوئی پرچہ بھیج دیتے کہ اس کے پڑھنے اور سمجھنے یا عمل کرنے میں دقت ہوتی۔

---

(۱) پرچہ دیا (۲) لیموں کھٹا ہوتا ہے اس لئے انہوں نے چہرے پر ناگواری کے تاثرات ظاہر کر کے بتادیا کہ لیموں دے دو۔

ہمارے لئے سب سے بڑی نعمت

بلکہ ایک عجیب اور فطرۃ کے موافق طریقہ اختیار فرمایا وہ یہ ہے کہ ایسی ذات مقدس کو بھیجا جن کی شان یہ ہے

لقد جاء کم رسول من انفسکم(۱)

یعنی تمہارے پاس ایک رسول آئے ہیں تمہاری جنس سے پس حضور ﷺ کا ہماری جنس سے ہونا ایک نعمت تو یہ ہے اس لئے کہ اگر کسی فرشتہ یا جن کو بھیج دیتے تو سب ہیبت (۲) ہی کے مارے مرجاتے اور آپس میں کچھ مناسبت بھی نہ ہوتی آجکل لوگ اس فکر میں ہیں کہ پیغمبر کو عبدیت اور بشریت کے مرتبہ سے گزار کر الہ (۳) تک پہنچادیں گویا اس صفت کو مٹانا چاہتے ہیں کہ جو ہمارے اور ذات حق میں واسطہ ہوئی ہے حالانکہ یہ عین رحمت الٰہی اور عین کمال نبوی بھی ہے کہ بشر ہو کر قرب (۴) کے ایسے درجے پر تھے تو یہ کمال تھا اور رحمت اس لئے کہ بشریت کی مناسبت سے بے راہوں کو راہ پر لاسکیں سو عبدیت کے مٹانے والوں کی وہی حالت ہے۔

یکے بر سر شاخ بن مے برید

کہ ایک شخص جس شاخ پر بیٹھا تھا اسی کو کاٹتا ہے۔اسی صفت کے ذریعہ سے

---

(۱) سورۃ التوبہ آیت ۱۲۸ (۲) خوف کی وجہ سے (۳) پیغمبر میں بندگی اور بشریت کی صفات کی بجائے اللہ کی صفات کو ثابت کریں (۴) حضور ﷺ کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ آپ انسان ہو کر قرب الٰہی کے اتنے بڑے درجہ پر فائز تھے۔

تو ہم کو ہدایت ہوئی اور یہ ظالم اسی کو اڑانا چاہتے ہیں۔اور اپنے نزدیک اس کو مدح اور شان بڑھانا سمجھتے ہیں۔اور بشریت کے اثبات کو تنقیص کہتے ہیں۔نعوذ باللہ۔الحاصل اثبات میں ایک نعمت تو یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ کو بشر بنایا۔

دوسرے یہ کہ عزیز علیه ما عنتم یعنی ارشاد ہے کہ اے امتیو! تمہاری مشقت ان پر بہت شاق ہے۔حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم۔تم پر حریص اور مومنین کے ساتھ شدت سے رحمت فرمانے والے اور رحم فرمانے والے ہیں۔کیا ٹھکانا ہے آپ کی شفقت کا؟ ہم تو تمام رات آرام سے سوویں اور حضور ﷺ ہمارے لئے تمام رات کھڑے ہو کر گزاریں۔ایک مرتبہ ایک آیت میں صبح ہو گئی۔وہ آیت یہ ہے ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفرلهم فانك انت العزيز الحكيم (۱)۔ یعنی اے اللہ اگر آپ ان کو عذاب دیں تو آپ کے بندے ہیں اور اگر ان کے لئے بخشش فرمادیں تو آپ غالب ہیں حکمت والے ہیں اور ہم تو ہوتے بھی نہ تھے بلکہ معدوم محض (۲) تھے سو ہم ناکاروں کے لئے جن کا اس وقت وجود بھی نہ تھا حضور ﷺ تعب (۳) اٹھاتے تھے اور فکر میں گھلے جاتے تھے چنانچہ ارشاد ہے۔

لعلك باخع نفسك ان لا يكونوا مومنين (۴)

یعنی اے محمد ﷺ شاید اس غم میں کہ یہ مومن نہیں ہوئے آپ اپنی جان

---

(۱) سورۃ المائدہ آیت ۱۱۸ (۲) ہم تو اس وقت موجود بھی نہیں تھے (۳) حضور ﷺ نے مشقت اٹھائی (۴) سورۃ الشعراء آیت ۳

ہلاک کردیں۔ اور یہ سب مجاہدہ اور محنت ہمارے لئے تھی ورنہ خود تو حضور ﷺ کی شان یہ تھی لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر (۱)۔ (تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادیں) تو آپ کو اس کی ضرورت نہ تھی کہ اتنا تعب برداشت فرماویں غرض حضور ﷺ کا وجود باجود ہمارے لئے یہ سب نعمتوں سے بڑی نعمت ہے۔

نعمتوں کی اقسام

حاصل یہ کہ نعمتیں خواہ دینی ہوں یا دنیوی ہم پر ہر وقت بے شمار نعمتیں ہیں اسی لئے تو ارشاد ہے۔ وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا (۲) یعنی اگر تم اللہ کی نعمت کو شمار کرو تو احاطہ نہیں کر سکتے اور بعض نعمتیں وہ ہیں جن کی طرف التفات (۳) ہی نہیں ہوتا وہ بھی ملا لو تو یہ مضمون اور بھی موکد (۴) ہوتا ہے۔ شرح اس کی یہ ہے کہ نعمتیں دو قسم کی ہیں وجودی اور عدمی (۵) لوگ وجودی کو تو شمار کرتے ہیں مثلاً رزق ملنا کپڑا ملنا مال حاصل ہونا ان کو تو نعمتیں جانتے ہیں اور عدمی کی طرف کسی کا ذہن ہی منتقل نہیں ہوتا حالانکہ وہ اپنے اسباب کے اعتبار سے بے انتہا ہیں مثلاً اس وقت ہم آرام و عافیت سے بیٹھے ہیں اس مکان کی چھت ہم پر نہیں گرتی یہ دیواریں نہیں گرتیں آسمان سے پتھر نہیں برستے کوئی سانپ بچھو درندہ ہم کو نہیں ستاتا چور و رہزن (۶) ڈاکو لوٹتے

---

(۱) سورۃ الفتح آیت ۲ (۲) سورۃ ابراہیم آیت ۳۴ (۳) ذرا بھی توجہ نہیں ہوتی (۴) یہ مضمون اور بھی زیادہ تاکید سے ثابت ہوتا ہے (۵) ایک وہ نعمتیں جو ہمیں حاصل ہو رہی ہیں ایک وہ مصیبتیں جن سے ہم محفوظ ہیں (۶) چور ڈاکو

نہیں بستی میں امن وامان قائم ہے۔ کوئی ہم کو زہر نہیں دیتا کوئی قتل نہیں کرتا۔ روٹی ہم کھاتے ہیں قبض نہیں ہوتا، ہضم ہو جاتی ہے لقمہ گلے میں پھنس کر نہیں مرتے۔ پانی پیتے ہیں گلے میں نہیں رکتا۔ ہاتھ پاؤں چلتے ہیں رہ(۱) نہیں جاتے۔ آنکھوں کا نور سلب(۲) نہیں کیا جاتا کانوں کی سماعت نہیں لی جاتی اسی طرح بے شمار نعمتیں ہیں کہ اگر رات دن شمار کرنے لگو تو شمار نہیں کر سکتے۔ غرض ہر وقت بے شمار نعمتیں ہیں۔ اب فرمایئے کہ ہم کیا شکر ادا کر رہے ہیں۔ خیر اس پر تو ہم کو قدرت نہیں کہ تمام نعمتوں پر شکر ادا کریں اسلئے کہ ان نعمتوں کا احصاء محال ہے۔ لیکن جس قدر قدرت ہے اتنا بھی نہیں کرتے۔ بعض دن چوبیس کے چوبیس گھنٹے ایسے ہی گزر جاتے ہیں کہ اس میں زبان سے ایک مرتبہ بھی الحمد للہ نہیں کہتے اگر کوئی ذہین آدمی کہے کہ ہم تو پانچ وقت میں نماز میں الحمد للہ پڑھتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ یہ تمہارا الحمد للہ کہنا محض درجہ عنوان میں ہے درجہ معنون میں نہیں ہے یہ چھلکا ہے جس میں گری نہیں یعنی الفاظ شکر کے ہیں اور معنی شکر کے نہیں جیسے کوئی بادام خریدے اور اس میں سے مغز(۳) نہ نکلے اور نرا چھلکا ہو تو اس کو بادام نہ کہیں گے۔

شکر کی روح

اسی طرح ہر عمل کا ایک مغز اور روح ہے اور ایک پوست(۴) اور صورت ہے۔ پس روح شکر کی یہ ہے کہ منعم اور نعمت کی دل سے قدر ہو۔ میں اس کو ایک مثال

---

(۱) فالج ہو کر بے کار نہیں ہوتے (۲) آنکھوں کی روشنی ختم نہیں ہوتی (۳) گری (۴) چھلکا

سے عرض کرتا ہوں اس شکر کی حقیقت ذہن نشین ہو جائے گی۔ وہ یہ ہے کہ مثلاً آپ کا کوئی مخلص دوست ہو کہ جس پر آپ مال و جان نثار کرنے سے دریغ (۱) نہ کرتے ہوں اور وہ آپ کو عنایت و لطف سے کوئی شے ہدیہ بھیجے اور اس سے پہلے اس محبوب نے کبھی آپ کو منہ بھی نہ لگایا تھا اس وقت آپ کی کیا حالت ہوگی۔ دفعۃً آپ کی حالت بدل جائے گی اور غایت فرحت (۲) سے شادی مرگ ہو جائے تو عجب نہیں اور اس شے کو آپ چومیں گے سر پر رکھیں گے آنکھوں سے لگائیں گے سب کو دکھلاتے پھریں گے کہ ہمارے دوست نے ہم کو یہ تحفہ بھیجا ہے اگر ممکن ہوگا تو اس کو اٹھا کر تبرکات اور منجملہ یادگار کے قرار دے کر رکھیں گے اور اس دوست کے ساتھ پہلے سے دس گنی محبت زیادہ ہو جاوے گی۔ غرض ایک خاص جوش و خروش ہوگا اور اس کیلئے اطاعت بھی لازم ہوگی کہ اگر اس وقت وہ دوست سر بھی مانگے تو حاضر ہے۔ عمر بھر میں حق تعالیٰ کی کسی نعمت پر ایک ہی مرتبہ کوئی بتلا دے کہ کسی کی یہ حالت ہوئی ہو، حالانکہ ہر ساعت میں نعمتوں کی ہم پر بارش ہے اور نری الحمدللہ پڑھنے سے کیا ہوتا ہے۔

اگر کوئی کہے کہ اس حالت کا پیدا ہو جانا ہماری وسعت میں نہیں ہے کھانا تو ہم کھالیتے ہیں لیکن یہ کود پھاند ہم سے نہیں ہو سکتی۔ بات یہ ہے یہ بظاہر غیر اختیاری ہے لیکن عند التامل (۳) اختیاری ہے بات یہ ہے کہ امور اختیاریہ میں بھی اس کا ہر مرتبہ

---

(۱) جس پر جان اور مال قربان کرتے ہوئے بھی تردد نہ ہو (۲) انتہائی خوشی سے اگر آپ مر بھی جائیں تو تعجب نہیں
(۳) غور کرنے سے اختیاری معلوم ہوتی ہے۔

اختیاری نہیں ہوتا صرف مرتبہ اخیر اختیاری ہوتا ہے مگر باوجود اس کے بھی اس کو اختیاری محض مراتب ابتدائیہ کے سبب کہا جاتا ہے جیسے یوں کہا جاوے کہ تحصیلداری مل جانا اختیاری ہے مطلب اس کا یہ ہے کہ جو اس کا طریقہ ہے کہ پاس حاصل کرو امتحان دو شرائط اس کی جمع کرو یہ اختیاری ہے غرض طریقہ کسی شے کا جب اختیاری ہوتا ہے تو اس شے کو اختیاری ہی کہتے ہیں۔

دوسری مثال لیجئے ایک شخص علامہ دوراں ہے اگر کوئی چاہے کہ میں آج ہی ایسا ہو جاؤں تو غیر اختیاری ہے لیکن جو اس کا قاعدہ اور طریقہ ہے اس کے اعتبار سے اختیاری ہے ایسے ہی شکر کے بھی مراتب ہیں ابتدائی درجہ تو مرتبہ عقلی ہے کہ حق تعالیٰ کو منعم حقیقی جانے اور عقلاً اس کی قدر پہچانے اور انتہائی مرتبہ یہ ہے کہ اس کا اثر طبع اور جوارح اور حرکات وسکنات (۱) میں نمایاں ہو جیسا میں نے مثال میں عرض کیا ہے۔

شکر کا درجہ کمال حاصل کرنے کا طریقہ

اور طریقہ تحصیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچا کرو اور یاد کیا کرو اور ہر نعمت کو اس کی طرف سے جانو رفتہ رفتہ حق تعالیٰ سے محبت ہوگی اور شکر کا درجہ کاملہ نصیب ہو جاوے گا۔ جیسے کوئی عالم ہونا چاہے تو اول الف با تا شروع کرتا ہے بتدریج علم کامل تک نوبت پہنچ جاتی ہے پس جب حقیقت شکر کی یہ ہوئی ہم جو دیکھتے ہیں تو اپنے اندر کوئی درجہ شکر کا نہیں پاتے نہ عقلی درجہ ہے نہ طبعی دونوں سے معرا (۲) ہیں اس

---

(۱) اس کا اثر انسان کی طبیعت اعضاء اور حرکات اور سکنات میں ظاہر ہو (۲) خالی ہیں

لئے شکر خواہ عقلی ہو یا طبعی اس کے لوازم میں سے ہے منعم(۱) کے حقوق کو ادا کرنا اور اس کی نافرمانی نہ کرنا۔ اب دیکھ لیجئے کہ ہم سے صبح سے شام تک کتنی طاعت ہوتی ہے اور کتنی نافرمانیاں غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ کوئی وقت بھی نافرمانی سے خالی نہیں گزرتا مگر ہم نے نافرمانیوں کی فہرست چونکہ بہت مختصر بنا رکھی ہے اس لئے ہم کو یہ امر معلوم نہیں ہوتا ہم چوری زنا غصب، قتل ناحق شراب پینے وغیرہ کو محض گناہ سمجھتے ہیں حالانکہ گناہ ہاتھ سے بھی ہوتا ہے پاؤں سے بھی ہوتا ہے آنکھ سے بھی ہوتا ہے اور سب سے زیادہ یہ کہ قلب(۲) ہمارا بہت گندہ ہے قلب میں حسد تکبر، حرص، حب مال، حب جاہ، کینہ بھرا ہوا ہے۔ نماز پڑھتے ہیں روزہ رکھتے ہیں اور قلب میں یہ بلائیں بھری ہوتی ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب ہم ہر وقت نافرمانی میں مبتلا ہیں تو کھل کھلیں(۳) اور جن نافرمانیوں سے محفوظ ہیں اس میں بھی مبتلا ہو جاویں۔ اس لئے کہ جتنے جرائم سے بچیں بہتر ہے۔ ورنہ اس کی تو ایسی مثال ہے کہ کسی شخص پر ایک مقدمہ قائم ہو اور وہ اور جرائم کا مرتکب ہونے لگے اس کو تو یہ چاہئے کہ اس مقدمہ سے بھی کسی طرح بری ہو اور میرا مقصود اس تعمیم نافرمانی کے بیان سے صرف اس شخص کو جتلانا ہے جو ناز کرتا ہے کہ ہم بڑے فرماں بردار ہیں الحاصل نافرمانیوں کا ارتکاب کرنا یہ بڑی ناشکری ہے۔ یہ تو بیان تھا نعمتوں اور اس کے شکر کے متعلق۔

---

(۱) انعام کرنے والی ذات یعنی حق تعالیٰ کی ذات (۲) دل (۳) یعنی خوب گناہ کریں

صبر کے دو مواقع

دوسری حالت ہے صبر۔اس کے دو محل ہیں اول تو مصیبت چنانچہ ارشاد ہے۔

"وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبة قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون"(۱)

یعنی اے محمد ﷺ آپ صابرین کو جن کی حالت یہ ہے کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں سب اللہ کی ملک ہیں اور ہم اسی کی طرف جانے والے ہیں بشارت دیجئے یعنی وہ حضرات شکوہ وشکایت نہیں کرتے اور ان کے دل میں حق تعالی کی ناشکری اور بے تعلقی نہیں ہوتی اب ہم اپنی حالت دیکھیں کہ ہمارا کیا معاملہ ہے ہماری حالت یہ ہے کہ ادنی سی مصیبت میں شکوہ وشکایت اور جزع فزع(۲) زبان پر آجاتا ہے اور اگر زبان پر نہیں تو دل میں تو ضروری ہی ہوتا ہے، دوسرا محل صبر کا عبادت ہے۔اس کی نسبت ارشاد ہے

"یا ایھا الذین امنوا استعینوا بالصبر والصلوة"(۳)

یعنی اے ایمان والو صبر اور صلوٰۃ کے ساتھ مدد چاہو۔یہاں دو چیزوں کو جمع کر کے صرف صلوۃ کا مضمون بیان کرنا باوجودیکہ مقام مقتضی ہے کہ دونوں کا بیان(۴)

---

(۱) سورۃ البقرہ آیت ۱۵۵،۱۵۶ (۲) چیخ وپکار (۳) سورۃ البقرہ آیت ۱۵۳ (۴) آیت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ صبر اور نماز دونوں کا بیان ہو۔

ہو قرینہ اس کا ہے کہ اوپر صبر وصلوٰۃ کا مجموعہ ایک ہی چیز ہے یعنی صبر علی الصلوٰۃ (۱) اور یہ اسی قید سے محکوم علیہ ہے لکبیرۃ (۲) کا ورنہ خالی صلوٰۃ میں تو کوئی گرانی نہیں اور اوپر اس مضمون پر حدیث اسباغ الوضوء علی المکارہ (۳) سے استدلال ہو چکا ہے جو بالکل ہی صریح ہے پس صبر کے دو محل ہوئے مصیبت اور عبادت، مصیبت کے متعلق جو ہمارا برتاؤ ہے وہ کچھ تو اوپر آچکا اور آئندہ مفصل بیان ہوگا۔

اول عبادت کو لیجئے، عبادات بہت ہیں ان میں نماز ہی کو دیکھ لیجئے صبر کے معنی تو یہ تھے کہ ہم اس کے حقوق وآداب پر نفس کو مجبور کرتے یعنی نفس کے خلاف ہم اس کے اہتمام میں اور اس کی تکمیل میں اپنی پوری وسعت (۴) خرچ کر دیتے اور حتی الوسع (۵) خشوع وخضوع حضور قلب سے ادا کرتے مگر ہماری نماز ایسی خوبصورت ہوتی ہے کہ خشوع تو دوسرے درجہ میں ہے ارکان بھی باقاعدہ ادا نہیں ہوتے رکوع درست ہے نہ سجدہ کا حق ادا کرتے ہیں۔

ہماری نماز کی مثال

پس نام نماز کا ہے باقی حقیقت اور مغز (۶) تو ہے نہیں اس نماز کی ایسی مثال ہے جیسے کسی دوست سے آپ فرمائش کریں کہ ہم کو ایک آدمی کی ضرورت ہے وہ دس

ت(۱) دلیل اس کی یہ ہے کہ اوپر صبر وصلوٰۃ کے مجموعہ پر صبر کرنے کو کہا ہے (۲) آیت میں آگے انہا لکبیرۃ (نماز بہت بھاری ہے) کا جو حکم آرہا ہے اسی قید کی وجہ سے ہے (۳) گرانی کے باوجود وضو میں اہتمام کرنے والی حدیث سے استدلال کیا جا چکا ہے (۴) پوری کوشش (۵) اپنی طاقت کے بقدر (۶) یعنی روح نماز۔

دن کے بعد چار آدمیوں کے سر پر ایک کھٹولا(۱) دے اور اس پر چادر پڑی ہو پوچھا کہ یہ کیا ہے جواب دیا کہ جناب آپ نے آدمی کے لانے کے لئے ارشاد فرمایا تھا میں آدمی لایا ہوں۔ دوست نے کہا کہ میاں یہ کیسا آدمی ہے دیکھیں تو! چادر اتاری تو کیا منظر نظر آیا کہ ایک مضغہ گوشت ہے ہاتھوں سے لولا پاؤں سے لنجا اندھا گونگا بہرا جذامی(۲) غرض دنیا بھر کے عیب اس میں موجود مگر ہاں حیوان ناطق کا اطلاق(۳) اس پر صحیح ہے یعنی تعریف آدمی کی اس پر صادق ہے۔ اس پر وہ دوست یہی کہے گا کہ تم بھی عجیب احمق ہو یہ کوئی آدمی ہے یہ کس کام کا ہے؟ پس صاحبو! جیسے وہ لغۃً(۴) آدمی ہے اسی طرح ہماری نماز بھی لغۃً نماز ہے مگر باعتبار اس کے اغراض(۵) کے وہ نماز نہیں اور جس طرح سے آدمی کا لانا سبب ناراضی صاحب فرمائش ہے اسی طرح ہماری ایسی نماز کا پیش ہونا بھی فی نفسہ موجب عتاب حق تعالیٰ شانہٗ کا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ نماز چھوڑ بیٹھو۔ مقصود یہ ہے کہ اس کمی کی اصلاح کرو اور اس اصلاح میں جب تک اعلیٰ درجہ کی نماز حاصل نہ ہو سعی کرتے رہو کہ درجہ علیا صلوٰۃ(۶) کا حاصل ہو جاوے۔ جب تم اپنی سی سعی کر لو اور پھر بھی وہ درجہ میسر(۷) نہ ہو تو عند اللہ بری ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ ایسے کریم ہیں کہ وہ ایسے ہی قبول فرمالیں گے شکایت تو اسی کی ہے کہ اس طرف

---

(۱) چار آدمی ایک چھوٹے سے پلنگ پر آدمی کو ڈال کر لائیں (۲) چادر اٹھا کر دیکھا تو ایک آدمی جو اندھا، گونگا، بہرا، ہاتھ پاؤں ٹوٹے ہوئے اور مرض جذام میں مبتلا تھا (۳) البتہ اس کو انسان ضرور کہیں گے (۴) معنی لغوی کے اعتبار سے (۵) نماز سے جو مقصد ہے یعنی خشوع وخضوع اس کے اعتبار سے وہ نماز نہیں۔ (۶) نماز کا اعلیٰ مقام (۷) حاصل نہ ہو۔

توجہ ہی نہیں پس سعی کے بعد ہم جیسی نماز پڑھیں گے اگر وہ صلوٰۃ مطلوبہ کے درجہ میں نہ بھی ہوئی مگر حق تعالیٰ کا کام ایسا وسیع ہے کہ وہ اسی کو مطلوب کے درجہ میں کر دیں گے۔

چنانچہ اسی بنا پر آیت فاولئک یبدل اللہ سیئاتھم حسنات (۱) (پس یہ ایسے لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیں گے) کی تفسیر حضرت مرشدی علیہ الرحمۃ (۲) یہ فرماتے تھے کہ سیئات (۳) سے مراد ہماری نماز روزہ ہے۔ کہ در حقیقت یہ عبادت نہیں بلکہ واقع میں گستاخی اور بے ادبی ہے اور ہم ایسی عبادات کو پیش کر کے بے ادب بنتے ہیں جیسے اس آدمی کا لانے والا بے ادب اور احمق شمار کیا گیا تھا اور ایسے ہی عبادات پر اپنے کو مستحق اجر سمجھنا ایسا ہی ہے جیسے کسی آقا کا گستاخ نوکر پنکھا جھلے اور ہر دفعہ میں اس کے سر پر پنکھا مارتا ہو اور پھر انعام کا طالب ہو اس پر تو اگر وہ آقا سزا ہی نہ دے تو بڑی عنایت ہے۔ اسی طرح ہماری یہ عبادت بے ادبی اور گستاخی ہے اس پر اگر ہم کو سزا بھی نہ ملے تو بڑی رحمت ہے۔ لیکن حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ ہمارے اس گمان کے موافق کہ ہم ان کو عبادت سمجھے ہوئے ہیں سچ مچ عبادت کر کے اس پر بھی ثواب دیں گے۔ امراء کے یہاں دیکھا ہوگا کہ غرباء مٹی کے خربوزے تربوز بنا کر لاتے ہیں ان کو بھی انعام ملتا ہے۔ ایسی ہی یہ ہماری نماز ہے کیسا عجب (۴) ہے جو اس پر بھی انعام مل جاوے۔ لیکن واقع میں تو ضرورت اسی کی ہے کہ

---

(۱) سورۃ الفرقان آیت ۷۰ (۲) حاجی امداد اللہ (۳) گناہوں سے مراد (۴) کیا تعجب کی بات ہے۔

ہماری ایسی نماز ہو جیسی جناب رسول ﷺ کی تھی اور جب تک یہ حاصل نہ ہو سعی(۱) کرتے رہو غضب(۲) تو یہ ہے کہ ہماری تو صورت نماز بھی درست نہیں ہے کیونکہ درستی ہوتی ہے صبر سے یعنی خلاف نفس مشقت اٹھانے سے اور اس سے نفس گھبراتا ہے بلکہ بعضوں نے تو یہ حکم بھی لگا دیا ہے کہ ہم سے نماز میں خشوع، خضوع، حضور قلب(۳) ہو ہی نہیں سکتا میں کہتا ہوں کہ ہو کیوں نہیں سکتا؟ مگر ہاں ذرا نفس کو روکنا پڑتا ہے اور اس میں ہوتی ہے مشقت اس لئے اس سے جی(۴) گھبراتا ہے باقی ہو سب کچھ سکتا ہے۔

خشوع خضوع اور حضور قلب کے ساتھ نماز پڑھنے کا طریقہ

چنانچہ میں اس کا طریقہ عرض کرتا ہوں اگر اس طریقہ پر عمل کرو تو دیکھیں کیسے حضور قلب اور خشوع خضوع نہ ہو وہ یہ ہے کہ فلسفی اور عقلی قاعدہ ہے کہ النفس لا تتوجه الى الشيئين فى ان واحد یعنی نفس ایک وقت میں دو چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا نماز میں دل حاضر نہ ہونے کی وجہ اصل یہ ہے کہ دل دوسری طرف متوجہ ہے آپ اس کو نماز کی طرف اس طرح متوجہ کریں کہ نماز یاد سے نہ پڑھیں بلکہ ہر جزو کو سوچ سوچ کر ادا کریں یعنی جو حرکت نماز میں آپ کریں اور جو کلمہ بھی زبان سے کہیں بلا ارادہ نہ کہیں ہر کلمہ اور ہر رکن کے ادا کرنے کیلئے مستقل ارادہ کریں اسی طور سے نماز ختم کر دیں۔

اس میں اول اول(۵) تو مشقت(۶) ہوگی اس لئے کہ نفس خوگر(۷) ہے

(۱) کوشش (۲) افسوس (۳) دل لگا کر انتہائی عاجزی سے نماز پڑھنا ہمارے لئے ممکن ہی نہیں (۴) دل (۵) شروع شروع میں (۶) مشکل ہوگی (۷) عادی ہے۔

میدانوں میں اور بازاروں میں گھومنے اور دوستوں سے باتیں کرنے کا، اس لئے اس کو یہ روک بہت گراں ہوگی۔ لیکن رفتہ رفتہ اس کی عادت ہو جائے گی اب تو ہماری نماز کی ایسی مثال ہے کہ جیسے گھڑی کہ اس کو ایک مرتبہ کوک دو وہ ۲۴ گھنٹے پورے کر کے ہی دم لے گی اسی طرح ہم کو اللہ اکبر کہہ کر بس سلام پھیرنے کے بعد ہی خبر ہوتی ہے۔ رکوع، سجدہ، قومہ(۱) قیام، قرأت سب آپ سے آپ(۲) ہی ہوتے چلے جاتے ہیں کچھ خبر نہیں ہوتی کہ ہم کیا کر رہے ہیں پس ساری خرابی نماز کو صرف مشق سے بلا سوچے یاد پڑھنے کی ہے۔ اور علاج بالضد(۳) ہوتا ہے پس نماز میں جو کچھ کرو سوچ کر اور ارادہ سے کہ مثلاً سبحانک اللھم پڑھو تو اس کلمے کے کہنے کیلئے ارادہ کرو پھر دوسرے کلمہ کہنے کیلئے مستقل ارادہ کرو چند روز اسی طرح نماز پڑھنے سے پھر نفس اسی کا خوگر ہو جاوے گا لیکن اس میں کامیابی کیلئے تقاضا اور جلدی نہ کرنا چاہئے۔ رفتہ رفتہ سب کام بن جاوے گا۔

صوفی نشود صافی تا در نکشد جامے

بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

(بدوں مجاہدات و ریاضت کے اصلاح و درستی نہیں ہوسکتی خامی دور ہونے اور پختگی ہونے کیلئے ریاضات اور مجاہدات کی ضرورت ہے) پس معلوم ہوا کہ عبادات کے اندر جو خرابیاں ہیں وہ بے خبری کی وجہ سے ہیں۔

---

(۱) رکوع سے اٹھ کر سیدھا کھڑے ہونا (۲) خود بخود (۳) علاج اس کی ضد سے ہے یعنی سوچ کر پڑھے۔

صبر کا دوسرا موقع

دوسرا محل صبر کا تھا مصائب اس میں ہماری یہ کیفیت ہے کہ ذرا سر میں درد ہو جائے سارے شہر میں گاتے پھرتے ہیں۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ بیماری کو بالکل ظاہر نہ کرے بضرورت تو ظاہر کرنا ہی ضروری ہے شریعت نے ہم کو اعتدال سکھایا ہے اور یہ ہی مشکل ہے۔ واللہ یہ تو آسان ہے کہ کسی سے نہ کہیں اور یا سب سے کہیں لیکن یہ کہ موقع ضرورت میں کہیں اور بلا ضرورت زبان نہ ہلاویں اس میں نفس کو بڑی مشقت ہوتی ہے۔

حضرت حافظ محمد ضامن صاحبؒ کی خدمت میں ایک شخص باارادہ بیعت آیا حضرت نے فرمایا کہ کچھ دنوں کھانا کم کھاؤ جب بیعت کریں گے وہ ایک روز کے بعد پھر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت اگر حکم ہو تو روزہ رکھ لوں مگر یہ تو بڑی مشکل بات ہے کہ سامنے مزہ دار حلال طیب (۱) کھانا موجود ہو اور پھر کم کھاؤں حضرت نے فرمایا کہ بس اسی منہ سے کہتے ہو کہ اللہ کا نام لوں گا اتنا بھی نہیں ہو سکا۔ صاحبو! سنت کا اتباع اسی واسطے تو لوگوں کو ناگوار ہے کہ اس میں ہر امر (۲) میں اعتدال رکھا ہے اور یہ نفس کو بھاری اور کٹھن ہے اور منشاء اس ناگواری کا یہ ہے کہ نفس چاہتا ہے آزادی کو اور نیز شہرت کو تو اس کو پانے کیلئے حظوظ بالکلیہ ترک (۳) کر دینا تو اس کیلئے آسان ہے کہ اس میں ایک آزادی ہے اور مخلوق کی نظروں میں بڑائی ہے کہ فلاں درویش کھانا نہیں

(۱) پاکیزہ (۲) ہر حکم میں (۳) اپنی پسندیدہ چیزوں کو بالکل ترک کر دینا۔

کھاتے۔ اتنے برسوں سے انہوں نے کھانا پانی چھوڑ دیا ہے۔ اور اعتدال دشوار (۱) ہے کہ اس میں شہرت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس میں صورۃ امتیاز نہیں ہوتا یہی تو وجہ ہے کہ درویشوں کی صورت بنالینا آسان ہے۔ لیکن سنت پر عمل کرنا لوگوں کو دشوار نظر آرہا ہے۔ پس یہ سنت کے خلاف ہے۔ کہ کوئی شخص عیادت کو آوے اور برابر یہ ہی کہتے ہیں کہ میں اچھا ہوں وہ بیچارہ تو ہمدردی کی راہ سے حال پوچھتا ہے۔ اور یہ ایسے تقویٰ میں آئے کہ اس سے اپنا حال بھی ظاہر نہیں کرتے۔ پس ایسے وقت یہ ہی سنت ہے کہ مجھ کو بخار ہے فلاں حکیم کا علاج ہے آپ بھی دعائے صحت کریں۔ ہاں اگر کوئی مغلوب الحال (۲) ہو تو وہ دوسری بات ہے لیکن یاد رکھو کہ مغلوب الحال کامل نہیں ہوتا گو یہ حالت محمود (۳) ہو لیکن کمال نہیں کمال وہی ہے جو حضور ﷺ کا طریقہ ہے۔

ایک مغلوب الحال کی حکایت لکھی ہے کہ انہوں نے قیام کیا جب تک ندا نہیں آئی رکوع نہیں کیا۔ رکوع میں گئے تو وہاں ہی رات گزار دی جب تک ندا نہیں آئی قومہ نہیں کیا قومہ کیا تو اب سجدہ میں نہیں جاتے ظاہراً تو لوگوں کے نزدیک یہ شخص بڑا ولی ہے لیکن کمال نہیں حالانکہ کمال صلوۃ وہ ہے جو حضور ﷺ کی نماز کے مشابہ ہو۔ حضور ﷺ کی نماز میں اعتدال ہوتا پس بیماری کے اندر بھی اعتدال یہ ہے کہ موقع اظہار میں ظاہر کردے اور بلاضرورت خاموش رہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے لوگوں نے پوچھا کہ یا امیر المومنین کیا مزاج ہے فرمایا اچھا نہیں لوگوں نے

---

(۱) درمیانی راہ مشکل ہے (۲) البتہ اگر کسی پر کوئی خاص کیفیت طاری ہو تو وہ معذور ہے (۳) پسندیدہ۔

کہا آپ شکایت کرتے ہیں، فرمایا کیا میں اپنے رب کے سامنے قوت اور پہلوانی ظاہر کروں۔

موقع ضرورت میں تدبیر کرنا خلاف صبر نہیں

غرض جہاں موقع ظاہر بھی کرے تدبیر بھی کرے یہ خلاف صبر نہیں چنانچہ اس کی ایک دلیل اسی وقت سمجھ میں آئی حضرت یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کی جدائی کی مصیبت میں فرمایا تھا یا اسفیٰ علی یوسف یعنی ہائے افسوس یوسف پر اس پر بیٹوں نے کہا کہ تم تو ہمیشہ یوسف ہی کو یاد کرتے رہو گے۔ تو اس کے جواب میں فرمایا۔ قال انما اشکوا بثی و حزنی الی اللہ۔ یعنی میں تم سے نہیں کہتا میں تو اپنے درد وغم کی اپنے اللہ سے شکایت کرتا ہوں پھر اسی کے ساتھ ہی حضرت یعقوب علیہ السلام نے تدبیر بھی فرمائی چنانچہ فرمایا۔

یابنی اذھبوا فتحسسوا من یوسف (۱)

یعنی اے میرے بیٹو جاؤ اور یوسف کا پتہ چلاؤ یہ جامعیت انبیاء کا حصہ ہے بہر حال ثابت ہوا کہ اپنی مصیبت اپنے مرض کو بلا ضرورت گاتا نہ پھرے اور موقع ضرورت میں ظاہر کرے۔

---

(۱) سورۃ یوسف آیت ۸۷۔

اجتماع صبر و شکر

تیسری ایک قسم عقلی اور ہے یعنی وہ حالت جس کے متعلق صبر اور شکر دونوں ہوں اور وہ حالت کوئی جداگانہ نہیں بلکہ جو مواقع صبر کے ہیں وہ بعینہ محل شکر کا بھی ہے اور اسی طرح جو حالتیں شکر کی ہیں وہ صبر کی بھی ہیں اگرچہ ظاہراً تقسیم کا مقتضی تو یہ تھا کہ تین قسمیں جدا جدا ہوتیں اول جس سے شکر محض کا تعلق ہو۔ دوسرے جس سے صبر محض کا تیسرے مرکب لیکن ایسی کوئی حالت نہیں کہ جس میں صبر محض یا شکر محض ہو بظاہر مصیبت ایسی حالت ہے کہ اس میں صرف صبر ہے لیکن ابھی معلوم ہوگا کہ اس کا تعلق شکر سے بھی ہے۔

اس کو ایک مثال سے سمجھنا چاہئے مثلاً ایک شخص بیمار ہوا اور طبیب نے مسہل (۱) تجویز کیا لیکن وہ طبیب کسی وجہ سے ناراض ہوگیا مسہل کا نسخہ لکھ کر نہیں دیتے بڑی کوشش کے بعد وہ راضی ہوئے اور نسخہ لکھا اب بتلایئے کہ یہ حالت شکر کی ہے یا نہیں بیشک شکر کی بات ہے۔ چنانچہ اس طبیب کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے حالانکہ مسہل پینے میں اور دستوں میں سخت تکلیف ہے لیکن اس پر بھی شکریہ طبیب کا کیا جاتا ہے تو وجہ کیا ہے؟ وجہ یہی ہے کہ مادہ فاسدہ کا ازالہ (۲) ہوکر یہ بیمار بالکل صحیح وتندرست ہوجاوے گا۔ تعجب کی بات ہے طبیب اگر نسخہ مسہل کا لکھے اس کا تو شکریہ ادا کیا جاوے اللہ میاں اگر مسہل تجویز کریں تو ان کا شکر نہ کریں۔

---

(۱) دستوں کی دوا دینی تجویز کی تاکہ فاسد مادہ نکل جائے (۲) فاسد مادہ نکل کر۔

مصیبت بھی ایک نعمت ہے

اب رہی یہ بات کہ مرض اور مصیبت کو مسہل کیوں کہہ رہے ہو۔اس کو میں بتاتا ہوں صاحبو! یہ روحانی مسہل(۱) ہے۔ اس سے گناہ دور ہوتے ہیں چنانچہ حدیثوں میں کثرت سے آتا ہے کہ اہل مصیبت کے گناہ معاف ہوتے ہیں حق تعالی کی رضا(۲) بڑھ جاتی ہے کسی کا بچہ مرجاتا ہے تو اس کیلئے جنت میں ایک گھر بنایا جاتا ہے اور اس کا نام رکھا جاتا ہے ''بیت الحمد''، بیت الحمد نام ہونے اور بیت الصبر نام نہ ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حالت میں ہم کو حمد بھی سکھلائی گئی ہے پس صاف معلوم ہوا کہ مصیبت بھی بڑی نعمت ہے۔

ایک حکایت یاد آئی۔ حضرت حاجی صاحب قبلہ قدس سرہ کے یہاں ایک مرتبہ اسی کا ذکر تھا کہ بلا بھی نعمت ہوتی ہے ایک شخص آہ آہ کرتا حاضر ہوا کہ حضرت بڑی تکلیف ہے دعا فرمایئے کہ اللہ تعالی اس تکلیف کو دو کردیں مجھے خیال ہوا کہ حضرت دعا کریں گے یا نہیں اگر کریں گے تو ابھی بیان فرمارہے تھے کہ بلا بھی نعمت ہے اس کے خلاف ہوگا اور اگر نہیں کریں گے تو اس کی دل شکنی ہوگی۔ حضرت نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے۔ سبحان اللہ کیا دعا فرمائی مضمون یہ تھا کہ اے اللہ ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ بلا بھی ایک نعمت ہے لیکن ہم ضعیف ہیں ناتواں ہیں اپنے ضعف کی وجہ سے اس نعمت کے متحمل(۳) نہیں ہوسکتے۔ اے اللہ اس نعمت کو نعمتِ صحت کے ساتھ

---

(۱) ایک روحانی علاج ہے جس سے فاسد مادہ نکل جائیگا (۲) خوشنودی (۳) اس نعمت کو برداشت نہیں کرسکتے

مبدل(۱)فرمادیجئے۔

بہرحال حدیث سے بزرگوں کے ملفوظات سے یہ امر(۲) ثابت ہے کہ بلا بھی نعمت ہے۔ پس وہ موقع جیسے صبر کا ہے اسی طرح شکر کا بھی ہے اگر کوئی کہے کہ جب نعمت ہے تو مصیبت کدھر سے ہوئی بات یہ ہے کہ ہر شے کی ایک حقیقت ہوتی ہے اور ایک صورت مصیبت صورت کے اعتبار سے تو مصیبت ہے اور حقیقت کے اعتبار سے جبکہ کہ اس کی غایت اور منفعت (۳) پر نظر ڈالی جاوے تو وہ نعمت ہے۔ مثلا مرض ہے صورت کے اعتبار سے کہ جسم کو تکلیف ہوتی ہے درد ہوتا ہے مصیبت ہے لیکن غایت اس کی کہ گناہ معاف ہوتے ہیں، نفس میں تہذیب آتی ہے، نعمت ہے۔

حالت نعمت موقع صبر بھی ہے

اسی طرح نعمت بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ موقع صرف شکر کا ہے لیکن غور سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صبر کا بھی موقع ہے مثلاً کسی کے پاس مال آیا شکر کی حالت تو ظاہر ہے لیکن صبر بھی وہاں واجب ہے اس طور سے کہ حدود شرعیہ سے اس کے خرچ کرنے میں آگے نہ بڑھے نفس کو روکے اور حد سے زیادہ اس سے خوش نہ ہو۔ پس مصیبت نعمت وعبادت تینوں حالتوں میں صبر وشکر دونوں واجب ہیں بحمد اللہ میرا وہ دعویٰ ثابت ہوگیا کہ صبر وشکر ہر حالت میں ضروری ہے۔

---

(۱) بدل دیجئے (۲) یہ بات (۳) اس کی انتہاء اور فائدہ۔

حقیقت صبر وشکر

اب ایک بات رہ گئی وہ یہ ہے کہ جب صبر وشکر ہر وقت واجب ہے تو کسی کو شبہ ہو کہ بس نماز روزہ چھوڑ کر انا للہ اور الحمد للہ پڑھا کریں اور اس شبہ کے ورود (۱) سے میں اپنے دعوئی سے رجوع نہ کروں گا اور یہی کہوں گا کہ ہاں ہر وقت صبر و شکر ضروری ہیں لیکن صبر وشکر صرف انا للہ اور الحمد للہ کا نام نہیں ہے آپ بھول گئے۔ میں نے اول عرض کیا تھا کہ صبر نام ضبط نفس کا ہے اور اس کا تحقق نماز روزہ سب ہی پر ہوتا ہے۔ اور شکر قدردانی کا نام ہے اور انا للہ اور الحمد للہ صورت شکر وصبر کی ہیں۔ پس عین حالت نماز روزہ حج زکوۃ میں دنوں کا تحقق ہوسکتا ہے۔ پس اب کوئی اشکال نہ رہا اس تقریر سے صبر وشکر کی ضرورت تو آپ کی سمجھ میں آگئی ہوگی۔

صبر وشکر کے حصول کا طریقہ

اب سمجھئے کہ ان دونوں کا طریقہ تحصیل کیا ہے۔ ان کی تحصیل میں آپ کو دو اور چیزوں کی ضرورت ہوگی خشیت اور محبت خشیت سے نفس کو حدود پر ضبط کرو گے۔ یہ صبر ہے اور محبت سے منعم کی قدر ہوگی اور یہ شکر ہے اور جب دنوں چیزیں جمع نہ ہوں گی تو صبر اور شکر حاصل نہ ہوں گے اس لئے کہ اگر محبت نہ ہوئی نری خشیت (۲) ہی ہوئی تو انعام سے لذت نہ ہوگی۔ اور اگر نری محبت (۳) ہو خشیت نہ ہو تو ناز ہو جاوے گا۔ اور نفس حدود سے آزاد ہو جاوے گا۔

---

(۱) یہ شبہ پیش آنے کی وجہ سے (۲) صرف حالت خوف (۳) صرف محبت۔

اگر کوئی کہے کہ خشیت اور محبت دونوں کیسے جمع ہو سکتے ہیں میں عرض کرتا ہوں کہ اگر کوئی کسی پر عاشق ہو تو دیکھئے اس کو اس محبوب کی محبت بھی ہے اور اس سے خوف بھی ہے کہ وہ ناراض نہ ہو جائے جب مخلوق کی محبت میں یہ دونوں جمع ہو جاتے ہیں خالق کی محبت میں تو بدرجہ اولیٰ جمع ہو جاویں گے اور خود خشیت اور محبت کے پیدا ہونے کا یہ طریقہ ہے کہ اپنے اوقات میں سے ایک گھنٹہ اس کام کیلئے علیحدہ کرلو اور اس کو دو حصوں پر منقسم کرلو آدھ گھنٹہ تو بیٹھ کر اپنی نافرمانیاں اور ان کی سزاؤں کو سوچا کرو کہ ہم نے فلاں دن یہ گناہ کیا تھا اور اس کی یہ سزا ہم کو ملنے والی ہے۔ فرشتے گھسیٹ کر دوزخ میں لے جاویں گے اور وہاں نوع بنوع(۱) کا عذاب ہوگا۔ اسی طرح جتنی نافرمانیاں یاد آویں فرداً فرداً(۲) انہیں اور اس کے متعلق جو سزا ہے اس کو سوچو اور دوسرے آدھ گھنٹہ میں نعمتوں کو سوچو۔ اول سے خشیت اور ثانی سے محبت منعم حقیقی پیدا ہوگی۔

یہ طریقہ تو صبر اور شکر کے پیدا ہونے کا تھا اب ایک طریقہ ان دونوں کی حفاظت کا ہے جیسے درخت ہوتا ہے کہ ایک طریقہ بعد اگنے کے اس کی حفاظت نشوونما(۳) کا ہے اسی طرح ان دونوں کی حفاظت کا طریقہ بھی ہے وہ ذکر اللہ اور صحبت اہل اللہ ہے۔

---

(۱) قسم قسم کے عذابات ہوں گے (۲) الگ الگ سب کو (۳) حفاظت اور بڑھوتری۔

خلیل احمد تھانوی ۱۴۲۳/۵/۲۸

۱۵۔۱۵ منٹ ان کیلئے بھی آپ نکالیں ۱۵ منٹ خلوت میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرلیا کریں اور ۱۵ منٹ کیلئے کسی اللہ والے کے پاس بیٹھ جایا کریں۔ انشاء اللہ تعالی اس طریقہ سے تم کو صبر وشکر کا اعلی مرتبہ نصیب ہوگا۔ جو موقوف علیہ ہے، حق تعالی کی قدرت کی نشانیوں سے منتفع ہونے کا۔ اب اللہ تعالی سے دعا کیجئے کہ ہم کو صبر وشکر کی اوراس کے طریقہ تحصیل پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین